

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، از : ڈاکٹر اسرار احمد

درس ۱۲

عائلی زندگی کے بنیادی اصول

سورۃ التحریم کی روشنی میں

———— (۱) ————

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ، تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ،
 وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ، وَاللَّهُ
 مَوْلَاكُمْ، وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿

”اے نبی! (ﷺ) آپ کیوں حرام کرتے ہیں وہ چیز جو اللہ نے آپ کے لئے حلال
 ٹھہرائی ہے، اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اور اللہ بخشنے والا
 رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ نے تمہاری قسموں کو کھولنے کے لئے طریقہ معین کر
 دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا پشت پناہ اور مددگار ہے، اور وہ سب کچھ جاننے والا اور
 کمال حکمت والا ہے۔“

سورۃ التحریم اٹھائیسویں پارے کی آخری سورۃ ہے — اور مطالعہ قرآن حکیم
 کے جس منتخب نصاب کا درس ان مجالس میں سلسلہ وار ہو رہا ہے اس کا بحیثیت مجموعی یہ
 بارہواں درس ہے اور تیسرے حصے یعنی مباحث عمل صالح کا تیسرا درس ہے۔ اس منتخب
 نصاب کے جن دروس کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں ان کے درمیان جو معنوی ربط و تعلق اور
 منطقی ترتیب ہے اس کو اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔

اس منتخب نصاب کا پہلا حصہ چار جامع اسباق پر مشتمل ہے، جس میں انسان کی

کامیابی اور فوز و فلاح کے چاروں لوازم یعنی ایمان، عمل صالح، تواضع بالحق اور تواضع بالصبر کا بیان ہے۔ دوسرے حصہ میں چند ایسے مقامات شامل ہیں جو خاص طور پر ایمان کے مباحث سے متعلق ہیں۔ تیسرے حصہ میں اعمال صالحہ کی بحث ہے جو جاری ہے۔

ظاہریات ہے کہ انسانی اعمال میں سب سے پہلے انفرادی سیرت و کردار کا معاملہ زیر بحث آنا چاہئے۔ چنانچہ پہلے دو اسباق میں انفرادی سیرت و کردار ہی سے متعلق چند اہم پہلو سامنے آئے ہیں۔ اولین درس، جو سورۃ المؤمنون کی ابتدائی گیارہ آیات اور سورۃ المعارج کی درمیانی سترہ ہم مضمون آیات پر مشتمل ہے، میں قرآن نے تعمیر و سیرت کے لئے جو بنیادیں فراہم کی ہیں اور تعمیر خودی کا جو پروگرام دیا ہے، اس کا بیان ہے اور سورۃ الفرقان کے آخری رکوع پر مشتمل دوسرے سبق میں یہ بات ہمارے سامنے آئی کہ ایک مکمل طور پر تعمیر شدہ مومن کی شخصیت کے کیا خدو خال ہونے چاہئیں! یعنی قرآن مجید کا انسان مطلوب کیا ہے، جسے علامہ اقبال مرد مومن سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب ہم انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اجتماعیت کی پہلی منزل خاندان اور عائلی نظام ہے۔ اس سے آگے معاشرہ اور پھر اس سے آگے ریاست ہے۔ یہ سارے اس اجتماعیت کے مدارج ہیں جس کا نقطہ آغاز خاندان ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ خاندان کی بنیاد رشتہ ازدواج سے پڑتی ہے۔ یعنی ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان شوہر اور بیوی کا تعلق ایک خاندان کا سنگ بنیاد بنتا ہے۔

چونکہ اجتماعیت کا اولین قدم یہی ہے، لہذا قرآن مجید میں عائلی نظام سے متعلق مباحث نہایت شرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ آئے ہیں اور شوہر و بیوی کے رشتے کے متعلق معاملات اور نکاح و طلاق کے احکام و مسائل کے بارے میں تفصیلی ہدایات بیان ہوئی ہیں۔ سورۃ البقرہ میں کئی رکوع اسی بحث پر مشتمل ہیں۔ پھر سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، سورۃ الاحزاب، سورۃ المجادلہ، سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم میں اس موضوع پر گفتگو آئی ہے۔ فارسی کے اس مشہور شعر کے مصداق کہ ۷

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

چونکہ خاندان انسانی معاشرے اور انسانی تہذیب و تمدن کا بنیادی پتھر ہے اور اسی پر ریاست، ملت اور اجتماعیت کے تمام تصورات کی تعمیر ہوتی ہے لہذا اگر خاندان کے ادارے کی تعمیر میں کوئی کجی یا ٹیڑھ رہ جائے تو ظاہریات ہے کہ پھر وہ کجی آخر تک جائے گی۔ جز اور بنیاد میں ضعف رہ جائے تو یہ ضعف معاشرے کی تمام سطحوں پر ظہور کرے گا۔ لہذا قرآن مجید خاندان کے اس ادارے کو نہایت مستحکم کرنا چاہتا ہے اور اسے نہایت صحیح بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے تاکہ اس میں نہ کوئی عدم توازن رہے، نہ ہی کوئی اونچ نیچ ہو، نہ ظلم و تعدی ہو اور نہ ہی یہ ضعف و اضمحلال کا شکار ہو۔

قرآن کریم کے اٹھائیسویں پارے کے آخر میں اس موضوع پر سورۃ التحریم اور سورۃ کی صورت میں دو نہایت حسین و جمیل سورتوں کا جوڑا ہمارے سامنے آتا ہے۔ ظاہر بات ہے جتنی سورتوں یعنی سورۃ البقرہ، سورۃ النساء وغیرہ جن میں عائلی زندگی کے معاملات پر بحث کی گئی ہے ان پر اس محدود وقت میں گفتگو نہیں ہو سکتی۔ البتہ سورۃ التحریم (جس کا مطالعہ آج کی اس نشست سے شروع ہو رہا ہے) کی ہر آیت کا ہم قدرے تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔ لیکن اس سے قبل میں ایک اہم بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس سے ان شاء اللہ آپ کو فہم قرآن کے لئے رہنمائی ملے گی اور قرآن مجید کی آیات اور سورتوں میں جو باہمی ربط اور نظم ہے اس کے بارے میں آپ کو ایک بصیرت باطنی حاصل ہوگی۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ اب جوڑے ہونے کی نسبت کا تقاضا ہے کہ موضوع زیر بحث کے دو پہلو ہونے چاہئیں۔ ایک یہ کہ مشابہت بھی ہو اور دوسرے یہ کہ ان میں ایک تقسیم بھی ہو۔ یعنی تصویر کا ایک رخ یا ایک پہلو اگر ایک سورت میں آیا ہے تو اس کا دوسرا رخ اور دوسرا پہلو دوسری سورت میں آئے۔ جیسے قرآن مجید کی آخری دو سورتیں ”معوذتین“ ہیں۔ ان دونوں کا مضمون ایک ہی ہے۔ تعوذ کا ایک پہلو سورۃ الفلق میں آگیا ہے، یعنی ان وبالوں اور بلاؤں سے پناہ کے لئے اللہ سے دعا کرنا جو انسان پر خارج سے حملہ آور ہوتی — اور تعوذ کا دوسرا رخ سورۃ الناس میں آگیا ہے، یعنی ان وسوسوں اور بہکاؤں سے پناہ کے لئے اللہ سے دعا کرنا جو شیطان اور اس کی صلبی و معنوی اولاد، انسان کے دل و دماغ اور باطن میں پیدا

کرتی ہے۔ اسی طرح عائلی زندگی کے بھی دو پہلو ہیں، جنہیں تصویر کے دوزخ یا معاملات کے دواجزاء کہہ لیجئے، جو سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم میں سامنے آتے ہیں۔

اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان سورتوں کا بنیادی اور مرکزی مضمون کیا ہے! خاندان کے جذبات کا لحاظ رکھنا اور ایک دوسرے کے احساسات کا پاس کرنا ایک بنیادی قدر ہے۔ جس گھر میں شوہر اور بیوی کے مابین یہ کیفیت نہیں ہے تو یوں سمجھئے کہ زبردستی اور مارے باندھے کا ایک رشتہ ہے جو قائم ہے۔ اس رشتہ میں جو چاشنی اور باہم محبت و الفت درکار ہے اگر وہ موجود نہیں ہے تو ایسا گھر اس دنیا میں جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔ الغرض عائلی زندگی میں دو رویے ہیں جن میں انسان انتہا تک چلا جاتا ہے۔ ایک رویہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان عدم موافقت ہے، دونوں کے مزاجوں میں کوئی ایسا بُعد ہے کہ باہم موافقت نہیں ہو سکتی اس کی انتہا طلاق ہے۔ یہ مضمون سورۃ الطلاق میں آیا ہے۔ سورۃ التحریم اور سورۃ الطلاق میں مشابہت دیکھئے کہ دونوں کے آغاز میں براہ راست نبی اکرم ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ البتہ سورۃ الطلاق کے شروع میں طلاق کا ذکر ہے، مگر چونکہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں طلاق کا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں لہذا شروع میں تو خطاب حضورؐ سے ہے لیکن فوراً بعد ہی ﴿إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ﴾ سے آخر آیت تک جمع کا صیغہ آیا ہے۔ یعنی دراصل یہ بات حضورؐ کو مخاطب کر کے آپؐ کی وساطت سے مسلمانوں سے کہی جا رہی ہے کہ اے مسلمانو! اگر تمہارے یہاں کوئی اس قسم کی صورت حال پیش آجائے کہ طلاق ناگزیر ہو جائے تو یہ روش اختیار کرو، یہ اس کے قواعد و ضوابط اور شرائط و آداب ہیں۔

یہ بات تمدنی اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ بعض معاشروں اور بعض مذاہب نے طلاق کو عائلی زندگی سے خارج کر دیا ہے۔ جبکہ اسلام کا نظام بڑا متوازن اور معتدل ہے۔ اسلام کے عائلی نظام میں ایک طرف تو طلاق کو حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مبغوض چیز کہا گیا ہے اور ساتھ ہی بیوی کی ناپسندیدہ عادتوں سے صرف نظر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک حدیث شریف میں، جسے امام مسلم نے اپنی صحیح

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے بطور انتباہ فرمایا :

((لَا يَفْزَلُكَ مُؤْمِنٌ مُّؤْمِنَةٌ إِنْ كَرِهَتْ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ))

”کوئی مومن اپنی بیوی سے اس کی کسی ناپسندہ عادت کی وجہ سے نفرت نہیں کرتا

بلکہ اس کی دوسری اچھی عادتوں کی وجہ سے اس سے راضی رہتا ہے۔“

اس ارشاد رسول ﷺ کی روشنی میں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جانبین ایک دوسرے کی خوبیوں اور بھلائیوں پر نگاہ رکھیں تاکہ حتی الامکان کوشش ہو سکے کہ ان کے درمیان موافقت پیدا ہو جائے۔ لیکن اگر کوشش کے باوجود کسی وجہ سے موافقت پیدا نہیں ہو رہی تو پھر اسلام ان دونوں کو زبردستی باندھ کر رکھنا نہیں چاہتا۔ اس زبردستی کے بندھن سے معاشرے میں خیر پیدا نہیں ہوتا شریعت ہوتا ہے، لہذا اطلاق کا راستہ کھول دیا گیا ہے۔ البتہ اس کے جو ضوابط و قواعد اور آداب و شرائط ہیں انہیں بھی قرآن میں بیان کیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر ملحوظ نہیں رکھا جاتا اور کوئی شوہر غصہ میں آکر ایک ہی وقت میں آخری قدم اٹھا بیٹھتا ہے اور ایک دفعہ ہی تین طلاقیں دے دیتا ہے اور بعد میں پچھتااتا ہے۔

دوسری طرف عائلی زندگی میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کی دلجوئی اور خوشنودی حاصل کرنے کا معاملہ حد اعتدال سے بڑھ جائے اور شوہر اپنی بیوی کی رضا جوئی میں اس حد تک چلا جائے کہ شریعت کے احکام ٹوٹنے لگیں۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو خوش اور راضی کرنے کے لئے یا اس کی کوئی فرمائش پوری کرنے کے لئے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال ٹھہرا لے۔ ظاہر بات ہے کہ اس کا دوسرے سے کوئی امکان نبی اکرم ﷺ کے لئے نہیں تھا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ البتہ حضور کی حیات طیبہ میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس میں حضور ﷺ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کی دلجوئی ملحوظ رکھی۔ اگرچہ یہ اپنی جگہ پسندیدہ اور مطلوب ہے، حضور نے اس کی ترغیب دی ہے، رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لَا هَلَكَكُمْ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لَا هَلَكَكُمْ)) ”تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروالوں کے حق میں بہترین طرز عمل اختیار کرنے والے ہیں اور جان لو کہ میں تم میں سے اپنے گھروالوں کے لئے بہترین روش اختیار کرنے والا

ہوں۔" اگرچہ یہ ایک پسندیدہ طرز عمل ہے مگر ایک خاص واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فمائش کی گئی۔ اس لئے کہ جیسے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ میں ہو چکا تھا کہ انہوں نے اپنے ذاتی ذوق کی بناء پر اونٹ کے گوشت کا استعمال ترک کر دیا تھا لیکن یہود نے یہ سمجھ لیا کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے، گویا ایک نبی کے ذاتی ذوق کے معاملہ کو شریعت کا جزو بنالیا گیا اور اونٹ کے گوشت کی حرمت بنی اسرائیل کی شریعت میں مستقل ہو گئی۔

میں نے جس خاص واقعہ کا حوالہ دیا ہے وہ احادیث میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ سورۃ التحریم میں اس واقعہ کی طرف محض اشارہ ہے۔ احادیث مجھ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ معمول تھا کہ آپ عصر کی نماز کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے سب ازواج مطہرات ﷺ کے یہاں تشریف لے جاتے۔ ازواج مطہرات کو آپ کے ساتھ جو محبت اور جو تعلیق خاطر تھا اس کے پیش نظر ہر زوجہ محترمہ کی یہی تمنا اور کوشش ہوتی تھی کہ وہ حضور کی توجہات کا مرکز بنے اور زیادہ سے زیادہ وقت اسے رسول اللہ ﷺ کی بابرکت صحبت میں رہنے کا موقع نصیب ہو۔ لیکن حضور ﷺ اس معاملے میں کامل عدل سے کام لیتے تھے اور ہر زوجہ محترمہ کے یہاں مساوی وقت دیتے تھے۔ ایک روز حضور کو حضرت زینب بنت جحش کے یہاں معمول سے زیادہ دیر لگی۔ ہوا یہ کہ ان کے یہاں کہیں سے ہدیا شمد آیا ہوا تھا اور حضور کو چونکہ شمد بہت مرغوب تھا اس لئے ام المومنین حضرت زینب نے آپ ﷺ کو شمد پیش کیا جس کے نوش فرمانے کے باعث آپ ان کے یہاں زیادہ دیر تک ٹھہرے۔ پھر کئی روز تک یہی معمول ہوا۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے مل کر تدبیر کی کہ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں شمد پینا چھوڑ دیں۔ تاکہ آپ ان کے ہاں معمول سے زیادہ وقت نہ دے سکیں۔ وہ شمد مغایر کے پھولوں کا تھا جس میں کچھ بساند اور مینک ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ شمد کے استعمال کے بعد جب ان کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو وہ حضور سے کہتیں کہ آپ کے منہ سے مغایر کی بساند آتی ہے۔ ان دونوں نے چند دیگر ازواج مطہرات کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ آپ چونکہ نہایت نفاست پسند تھے اور جب آپ کی متعدد ازواج مطہرات

نے یہ بات کہی تو آپؐ نے عہد کر لیا اور قسم کھالی کہ آئندہ آپؐ یہ شہد استعمال نہیں فرمائیں گے۔

ہمارے دین میں نبی اکرم ﷺ کو یہ مقام حاصل ہے کہ اگر آپؐ سے کوئی معمولی بات بھی ظہور میں آجائے تو وہ قانون کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ اب آپؐ نے چونکہ اپنی ازواج مطہرات کی خوشنودی کے لئے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ ایک شے اپنے اوپر حرام کی تھی اس لئے یہ خطرہ پیدا ہو سکتا تھا کہ امت اس شے کو ہمیشہ کے لئے حرام یا کم از کم حد درجہ مکروہ سمجھنے لگے یا امت کے لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لینے کی دین میں اجازت ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ مبارکہ نازل فرما کر حضور ﷺ کو اس کام پر ٹوک دیا۔

اس ٹوکنے سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرنے کے لئے حلال اور حرام کی اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ نبی بھی اگر کسی شے کو حلال یا حرام قرار دیتا ہے تو صرف اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اشارہ ہو۔ خواہ وہ اشارہ وحی جلی کی صورت میں ہو یا وحی خفی کے طور پر کیا گیا ہو۔

اس سورہ مبارکہ پر تدبیر کرنے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جب ایک ذرا سی بات پر حضور ﷺ کو نہ صرف ٹوک دیا گیا اور اس کی اصلاح کی گئی بلکہ اس کا ایک سورہ میں ذکر کر کے اس کو ابد الابد تک کے لئے قرآن مجید میں محفوظ کر دیا گیا تو اس سے قطعی طور پر یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے جن اعمال، افعال، احکام اور ہدایات پر قرآن مجید میں کوئی گرفت یا اصلاح موجود نہیں ہے وہ سراسر حق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی منشاء و مرضی کے مطابق ہیں اور ان کا اتباع ہم پر لازم ہے۔ اس بات سے سنت کی حیثیت و فرضیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد اب ہم اس سورہ مبارکہ کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ فرمایا : ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ ”اے نبی، آپؐ اس چیز کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں جسے اللہ نے آپؐ کے لئے حلال کیا ہے۔“ انداز استفہام یہ ہے لیکن مقصود حضورؐ کو ٹوکنا اور متنبہ کرنا ہے : ﴿تَبْتَغِي مَرْضَاتِ أَرْوَاجِكَ﴾ ”کیا آپؐ اپنی بیویوں کی

خوشنودی چاہتے ہیں؟“ آیت کے اس حصہ سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا یہ فعل اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کی بنا پر نہیں تھا بلکہ بیویوں کی خوشنودی کی وجہ سے تھا، جنہوں نے یہ صرف اس لئے چاہا تھا کہ آپؐ شہر پینے کی خاطر حضرت زینبؓ کے یہاں زیادہ قیام نہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سبب کو یہاں بیان فرما کر ازواج مطہراتؓ کو متنبہ فرمادیا کہ وہ نبی کی ازواج ہونے کی نازک ذمہ داریوں کا لحاظ رکھیں۔ آگے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ”اور اللہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے“ — آیت کے اس حصہ میں حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپؐ نے اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر ایک حلال چیز کو حرام قرار دینے کا جو کام کیا ہے وہ کوئی گناہ نہ تھا لیکن آپؐ کے منصب کی اہم ترین ذمہ داریوں کے اعتبار سے مناسب نہ تھا، لہذا اللہ نے صرف ٹوک کر اصلاح کی طرف متوجہ کرنے پر اکتفا فرمایا۔

اس مقام پر نمبر کر ذرا اس بات پر غور فرمالیجئے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو اپنی ازواج کی خوشنودی کی خاطر ایک حلال چیز کو اپنے لئے حرام قرار دینے پر اس شد و مد کے ساتھ ٹوک دیا گیا ہے تو ان لوگوں کا آخرت میں کتنا سخت اور شدید مواخذہ ہو گا جو اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کے لئے حرام کو حلال کر لیتے ہیں اور پھر اس کا مسلسل اور مستقل ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا: ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْْمَانِكُمْ﴾ ”اللہ ایسی قسموں کو کھولنے کا ایک راستہ تمہارے لئے مقرر کر چکا ہے“۔ اس میں سورۃ المائدہ کی آیت ۸۹ کی طرف اشارہ ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی قسم کھالی ہے اور اب اس کو کھولنا ہے تو اس کے لئے کفارہ مقرر ہے۔ اور وہ یہ کہ دس مساکین کو کھانا کھلائے۔ وہ کھانا ایسا ہو جو انسان اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہے — یا دس مساکین کو لباس میا کرے — یا کسی ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرائے — اور اگر کسی کو ان میں سے کسی کی بھی استطاعت نہ ہو تو اس کا بدلہ یہ مقرر کیا گیا کہ ایسا شخص تین دن کے روزے رکھے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ قسم کو کھولنے اور عہد کی پابندی سے نکلنے کا اللہ تعالیٰ طریقہ معین فرما چکا ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی ایسی صورت پیش آجائے تو کفارہ ادا

کر کے قسم کھول دو۔ آگے فرمایا : ﴿وَاللّٰهُ مُؤَلِّمُكُمۡ﴾ ”اور یہ بات جان لیجئے کہ آپؐ کا اور سب مسلمانوں کا مددگار، حامی اور پشت پناہ صرف اللہ ہی ہے۔“ ”لہذا اسی کی رضا اور خوشنودی کو ہمیشہ مقدم رکھنا چاہئے۔ ﴿وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾ ”اور وہی ہے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا۔“ یعنی وہ جو بھی حکم دیتا ہے اپنے علم کامل کی بنیاد پر دیتا ہے اور اس کی حکمت بالغہ اس حکم میں شامل ہوتی ہے۔

سورۃ التحریم کی ابتدائی دو آیات میں ہمارے سامنے خاندانی و عائلی زندگی کے بارے میں ایک بڑی بنیادی بات آگئی کہ بیویوں کی رضا جوئی اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا، ان کے ساتھ نرمی، محبت، مودت، الفت اور ان کے جذبات کا پاس اور لحاظ رکھنا، یہ تمام چیزیں اصل مطلوب اور سندیدہ ہیں، لیکن ایک خاص حد تک۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ جذبہ حد اعتدال سے تجاوز کر جائے اور شریعت کے احکام ٹوٹنے شروع ہو جائیں۔ لہذا ایک بندہ مومن کو ہمیشہ اور ہر وقت اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہئے اور اس معاملہ میں ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہئے۔ آیات ۵۲۳ میں فرمایا :

﴿وَإِذۡ أَسَرَّ النَّبِیُّ اِلَیۡ بَعْضِ اَزۡوَاجِهٖ حَدِیثًاۙ فَلَمَّا نَبَاَت بِہٖ وَاٰظَہَرُہٗ اللّٰهُ عَلَیْہِ عَرَفَ بَعْضَہٗۙ وَاَعۡرَضَ عَنْ بَعْضٍۙ فَلَمَّا نَبَاَہَا بِہٖ قَالَتْ مَنۡ اَنْبَاَکَ ہٰذَاۙ قَالَ نَبَاَنِی الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُۙ اِنْ تَتُوبَاۤ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُکُمَاۙ وَاِنْ تَظْہَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ هُوَ مُوَلِّہٖ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَۙ وَالْمَلٰئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَہِیْرٌۙ عَسٰی رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقَکُمۡ اَنْ یُّبَدِّلَہٗ اَزۡوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُمۡ مُّسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ فَبِئْسَ ثَنِیْبٌ عِبْدَتِ سَبِیۡحَتٍ ثَبِیَّتٍ وَّاَبْکَارًاۙ﴾

”اور جب نبی (ﷺ) نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی۔ پھر جب اس بیوی نے وہ راز (کسی اور پر) ظاہر کر دیا، اور اللہ نے نبی (ﷺ) کو اس (افشاء راز) کی اطلاع دے دی تو نبی (ﷺ) نے اس پر کسی حد تک (اس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبی (ﷺ) نے اسے (افشاء راز کی) یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا : آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟

نبی (ﷺ) نے کہا ”مجھے اس نے خبر دی جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے۔“ اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے لئے زیبا ہے، تمہارے دل تو خدا کی طرف مائل ہی ہیں، اور اگر تم نبیؐ کے خلاف ایسا کرو گے تو اس کا حامی اللہ ہے اور جبریل اور تمام نیکو کار مسلمان، اور مزید برآں فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ تمہیں طلاق دے دے تو اس کا پروردگار تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں اس کو عطا کر دے۔ اطاعت شعار، مومنہ، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، ریاضت کرنے والیاں، شوہر آشنا اور کنواریاں۔“

ان آیات میں نبی اکرم ﷺ کی عائلی زندگی کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ کی تفصیلات میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں، کیونکہ یہ آیات اپنے مفہوم و مدعا کو خود واضح کر رہی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے کوئی راز کی بات اپنی ازواج مطہرات کے سامنے نہ کی تھی۔ کسی ایک سے کسی اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمادی کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتائی جائے۔ ان زوجہ محترمہؓ سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے کسی دوسری زوجہؓ کے سامنے اس کا ذکر کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس افشائے راز کی خبر دے دی۔ اس پر حضور ﷺ نے نہایت ملامت، شفقت اور نرمی سے ان زوجہ محترمہؓ کو اشارہ ناجتلا دیا کہ یہ آپؐ کے علم میں آگئی ہے۔ ﴿عَرَفَ بَعْضُهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ﴾ کے الفاظ میں آپ کے حسن معاشرت کی اعلیٰ مثال کا ذکر ہے کہ آپ نے پوری بات جتلا نا اور پورے کا پورا الزام دینا پسند نہ فرمایا۔ آپؐ نے شکوہ و شکایت میں بھی التفات و ملامت کے پہلو کو پیش نظر رکھا تا کہ ان زوجہ محترمہؓ کو انتباہ ہو جائے۔ اس پر ان زوجہ محترمہؓ نے پلٹ کر سوال کیا کہ ”آپؐ کو یہ کس نے بتایا؟“ ہو سکتا ہے کہ انہیںؓ یہ گمان ہوا ہو کہ میں نے جن کو یہ بات بتائی تھی شاید انہوں نے حضورؐ کو بتادی۔ اس لئے اپنے شک اور سوائے ظن کو رفع کرنے کے لئے انہوں نے حضورؐ سے یہ وضاحت چاہی کہ آپؐ کو کس نے بتایا! — اس کے جواب میں حضورؐ کے جو الفاظ آئے ہیں ان میں تھوڑا سا اظہار ناراضگی کا پہلو بھی ہے، کیونکہ یہ معاملہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ یہ مجھے کس نے بتایا، اصل بات تو یہ ہے

کہ ایک راز کی بات تھی، اسے راز ہی رہنا چاہئے تھا۔ لہذا حضورؐ نے جواب میں فرمایا ”مجھے تو اس خدا نے بتایا ہے جو العظیم بھی ہے اور الخبیر بھی۔ اس واقعے کے اجمالی ذکر کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہو رہا ہے۔

یہاں اس بات کو بھی جان لیجئے کہ عائلی زندگی میں مرد کا اپنی بیوی کے حق میں نرم ہونا، شفیق ہونا، شوہر اور بیوی کے درمیان محبت و الفت، رحمت و شفقت اور مودت کا پایا جانا مطلوب ہے۔ لیکن اس میں اگر شوہر کی طرف سے نرمی زیادہ ہو جائے اور خاندان کے ادارہ کو مستحکم رکھنے کا بنیادی اصول یعنی ﴿الزَّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ کا اہتمام و التزام پوری طرح باقی نہ رہے تو خاندانی زندگی کے بنیادی ڈھانچے کو ضعف پہنچے گا۔ پھر جب معاملہ خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کا ہو تو اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے کیونکہ آپؐ کا ہر عمل امت کے لئے نمونہ ہے۔ سورۃ الحجرات میں بہت زور دے کر فرمایا گیا ہے کہ ﴿وَاعْلَمُوا أَن فِينَكُم رَسُولُ اللَّهِ﴾ ”خوب جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسولؐ موجود ہے۔“ اس میں ایک بڑا لطیف نکتہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کا تو ایک ہی پہلو ہے، کہ آپؐ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور ہم امتی ہیں، آپؐ ہمارے آقا ہیں، ہم آپؐ کے غلام ہیں، اور تو کوئی رشتہ اور نسبت نہیں ہے۔ لیکن صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم کا معاملہ بہت مختلف تھا۔ صحابہؓ میں سے کوئی حضورؐ کا چچا بھی ہے، اب چچا ہونے کے اعتبار سے وہ بڑا ہے، حضورؐ بھتیجے ہیں، بھتیجے کا رشتہ بہر حال چھوٹا ہے۔ اب اگر کہیں حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما اپنی اس حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے حضورؐ کے ساتھ کوئی ایسا طرز عمل اختیار کر لیتے جو بڑا اپنے چھوٹے کے ساتھ اختیار کرتا ہے تو حضورؐ کی حیثیت رسالت مجروح ہو سکتی تھی۔ لہذا آگاہ کر دیا گیا، متنبہ کر دیا گیا کہ ﴿وَاعْلَمُوا أَن فِينَكُم رَسُولُ اللَّهِ﴾ اچھی طرح جان رکھو کہ تمہارے مابین صرف محمدؐ نہیں ہیں بلکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ لہذا آپؐ کی اس حیثیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔

اسی بات کا اطلاق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر بھی ہو گا کہ بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی طرف سے ناز کا بھی اظہار ہو جائے گا۔ لہذا ان کو بھی متنبہ کر دیا گیا کہ ٹھیک ہے

اے عائشہؓ کہ محمد ﷺ تمہارے شوہر ہیں، اے حفصہؓ! ٹھیک ہے کہ محمد ﷺ تمہارے شوہر ہیں، لیکن ہر دم یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ اللہ کے رسولؐ بھی ہیں اور یہ بہت نازک مقام ہے۔ حضورؐ کے احترام اور ادب کو کسی درجہ میں بھی ضعف پہنچنے کا امکان ہو تو اس کے بارے میں ہمیشہ سخت ترین تنبیہ نظر آئے گی۔ جیسے سورۃ الحجرات میں ہے کہ ﴿اِنَّ تَحْبِطُ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ مبادا تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو۔ اگر معاملے کی یہ خاص صورت پیش نظر نہ ہو تو پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کچھ سوئے ظن کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ حقائق جو میں نے بیان کئے ہیں اگر مد نظر رہیں تو پھر کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہوگی۔

زیر بحث معاملہ دو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آیا۔ ایک نے نبیؐ کا بتایا ہوا ازدو سری پر ظاہر کر دیا۔ اب دونوں کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ : ﴿اِنَّ تَتُوبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ جَعَلْتُ قُلُوبَكُمْ﴾ اگر تم دونوں اللہ کی جناب میں توبہ کرو (اظہار ندامت کرو اور اللہ سے استغفار کرو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، کیونکہ) تمہارے دل تو مائل ہو ہی گئے ہیں۔ ”یعنی دلوں میں تو یہ کیفیت ہے ہی، پشیمانی اور ندامت کے جذبات تو ہیں ہی۔ لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی مان ہوتا ہے۔ وہی بات جسے میں نے ناز سے تعبیر کیا ہے۔ اس ناز کی وجہ سے ندامت اور پشیمانی کے الفاظ زبان پر نہیں آرہے، طبیعت ہچکچا رہی ہے۔ تو گویا ترغیب کا یہ نہایت بلیغ انداز ہے کہ فرمایا گیا ”تمہارے دل تو مائل ہو ہی گئے ہیں۔“ جیسے ہم کسی سے کہتے ہیں کہ ذرا ہمت کرو، اصل میدان تو تم سر کر ہی چکے ہو، کٹھن منزل تو تم نے طے کر لی ہے، اب تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے، ہمت نہ ہارو، حوصلہ سے کام لے کر اس مرحلہ سے بھی گزر جاؤ۔

اس مقام پر بعض مفسرین کو سخت مغالطہ ہوا ہے، انہوں نے ”صَعَتْ“ کا مفہوم کسی شے سے انحراف سمجھا ہے، حالانکہ یہ لفظ کسی شے کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کا مفہوم رکھتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے بھی یہاں ”صَعَتْ“ کا ترجمہ ”جھک جانا“ کیا ہے۔ آیت کا اسلوب بھی یہی بتا رہا ہے کہ ”اگر تم اللہ کی جناب میں توبہ کرو تو تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں، جھک ہی چکے ہیں۔“ ذرا سی یہ ہچکچاہٹ جو شوہر اور بیوی کے نفسیاتی تعلق کی وجہ

سے حامل ہے اس جھک کو دور کر دو اور اپنی خطا کا اعتراف کرو۔ اللہ سے بھی اس کے لئے استغفار کرو اور نبی ﷺ سے بھی معذرت کرو کہ ہم سے خطا ہوئی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اگر بظاہر درشتی کا پہلو ہو، سختی کا اسلوب ہو تو دیکھنا یہ ہو گا کہ خطاب کن سے ہے! بسا اوقات شفقت اور محبت ہی کے اظہار کے لئے بظاہر سختی کا انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ ایک شفیق والد اپنے بچے کی تربیت کے لئے بعض اوقات سختی اور درشتی کا انداز اختیار کرتا ہے، لیکن کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ باپ کا دل اپنے بچے کی محبت سے خالی ہے؟ البتہ یہاں ایک بات یہ جان لیجئے کہ ع ”جن کے رتبے ہیں سوا“ ان کی سوا مشکل ہے ” کے مصداق جن کے مقامات بلند ہوتے ہیں ان کی چھوٹی سی بات پر بھی جب گرفت ہوتی ہے تو بظاہر انداز بڑا سخت ہوتا ہے۔ ﴿حَسَنَاتُ الْأَيُّرَادِ مِثْنَاتُ الْفَقْرَيْنِ﴾ یعنی عام لوگوں کے لئے جو کام بڑی نیکی کا سمجھا جائے گا ہو سکتا ہے کہ وہی کام اللہ تعالیٰ کے مقربین اولیاء اور محبوب بندوں کے لئے تقصیر قرار پائے اور ان کے مرتبہ کے اعتبار سے قابل گرفت شمار ہو جائے۔ لہذا یہ معاملہ مراتب اور درجات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یہی اسلوب ہم قرآن مجید کے بعض مقامات پر دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ خطاب میں بھی بظاہر کچھ سختی کا اظہار ہو رہا ہے۔ جیسے :

﴿عَبَسَ وَقَوَّلَىٰ ۖ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمَىٰ ۚ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزْكَىٰ ۚ اَوْ

يَذْكُرُ فَتَنْفَعَهُ الْذِكْرَىٰ ۚ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ۚ فَاَنَتْ لَهٗ تَصَدَّىٰ ۚ﴾

”ترش رو ہوا اور بے رخی برتی۔ اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا۔

تمہیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے۔ یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس

کے لئے نافع ہو! جو شخص بے پروائی برتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔“

بظاہر اس اسلوب میں کچھ سختی ہے، لیکن درحقیقت اس انداز میں محبت، شفقت اور

عنایت پنہاں ہے۔ حضورؐ کے مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے گرفت کا انداز نظر آتا ہے،

جبکہ بڑی معمولی بات ہے اور عام لوگوں کے لئے غلطی بھی نہیں ہے، لیکن رسول اور نبی

ہونے کے اعتبار سے اس پر بھی روک ٹوک ہو رہی ہے اور بظاہر انداز سخت نظر آ رہا

ہے۔ اسی اصول کا ہم یہاں بھی اطلاق کریں گے کہ ازدواجِ مطہرات ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنا مقام اور مرتبہ پہچانو، تم امہات المؤمنین ہو، پوری امت کی خواتین کے لئے قیامت تک تمہارا طرز عمل نمونے کا طرز عمل ہو گا۔ لہذا تمہارا طرز عمل بڑا اعلیٰ، معیاری اور آئیڈیل ہونا چاہئے۔ اس میں ذرا سی کمی کسی پہلو سے بھی ہو تو ممکن ہے کہ وہ پہلو امت کی خواتین کے لئے بڑی بڑی لغزشوں کا سبب بن جائے۔ اس لئے یہاں الفاظ میں بظاہر کچھ سختی ہے، لیکن اس سے ازدواجِ مطہرات ﷺ کے بارے میں کوئی معمولی سا سوئے ظن بھی دل میں ہرگز پیدا نہیں ہونا چاہئے۔

آیت مبارکہ کی طرف پھر رجوع کیجئے، فرمایا: ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ ”اگر تم اللہ کی جناب میں توبہ کرو تو تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہو ہی چکے ہیں۔“ ﴿وَلَمْ تَحْظَرْ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاُ جِبْرِيلَ وَصَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور اگر تم ہمارے نبی کے خلاف ایک کرو گی تو جان رکھو کہ اللہ خود اپنے رسول کا رفیق ہے، پشت پناہ ہے اور ساتھ ہی جبریل ہیں (جو ملائکہ کے سردار ہیں) اور تمام مومنین صالحین یعنی آپ کے اصحاب آپ کے پشت پناہ ہیں۔“ ﴿وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾ ”اور تمام ملائکہ بھی ہمارے نبی کے ساتھی اور مددگار ہیں۔“ — یہاں اہل ایمان کا ذکر تو صالحیت کی صفت کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن ملائکہ کے لئے فرمایا کہ کُل کے کُل ملائکہ، کیونکہ وہ تو سب کے سب ہی صالح ہیں، ان کے بارے میں تو کوئی دوسری رائے ہو ہی نہیں سکتی۔ ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ ﴿يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ ”وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“

آگے پھر وہی تہدید کا انداز چل رہا ہے جس میں ازدواجِ مطہرات ﷺ کی سیرت و کردار کی ایک جھلک بھی سامنے آتی ہے کہ تمہارے اندر جو یہ اوصاف ہیں کہ تم اطاعت شعار ہو، ایماندار ہو، فرمانبردار ہو، توبہ کرنے والیاں ہو، زہد و قناعت اختیار کرنے والیاں ہو، ان پر تمہیں نازاں نہیں ہونا چاہئے۔ تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تم جیسی یا تم سے بہتر خواتین اپنے نبی کیلئے ازدواج کے طور پر فراہم نہیں کر سکتا۔ اگر کہیں تمہیں بالفرض اپنے اسلام و ایمان پر، اپنے تقویٰ و احسان پر اور اپنی نیکیوں اور عبادت گزار یوں پر زعم ہو گیا

ہے (اگر اس کا کچھ بھی امکان ہے) تو جان لو کہ اگر نبی تم سب کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیں تو اللہ ان کو تم جیسی بلکہ تم سے بھی بہتر بیویاں عطا کر سکتا ہے۔ یہ مفہوم ہے آیت کے ان الفاظ مبارکہ کا کہ ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ اِنْ طَلَّقَكُنْ اَنْ يُبَدِّلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّمَّكَنْ فَمُسَلِّمٌ مِّمَّنْ فَنِشَبِ فَنِشَبِ غِيْبَتِ سَخِيْبِ فَنِشَبِ وَاَبْكَارًا ۝﴾ ”نِشَبَات“ ان خواتین کو کہا جائے گا جن کی ایک دفعہ شادی ہو چکی ہو۔ یعنی بیوہ یا مطلقہ ہوں اور ”اَبْكَار“ سے کنواری خواتین مراد ہیں۔ حضور کے حوالہ عقد میں اکثر خواتین شوہر آشنا تھیں لہذا ان کا ذکر بھی یہاں کر دیا گیا، کیونکہ ایک خاتون جسے متاہل زندگی کا تجربہ پہلے ہو چکا ہو بعض پہلوؤں سے اس کی رفاقت شوہر کیلئے آسانی کا موجب بن جاتی ہے۔ رہا اَبْكَار یعنی کنواریوں کا معاملہ تو ہر شخص کیلئے کسی خاتون کا بیوی کی حیثیت سے یہ نہایت پسندیدہ وصف ہے ہی۔

ان تین آیات میں ایک خاص واقعہ کے حوالہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب کیا گیا ہے، جس سے یہ منہائی حاصل ہوتی ہے کہ ازدواجی زندگی میں اگرچہ باہمی محبت و الفت، شفقت و مودت، ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا لحاظ، حسن معاشرت اور نرمی کا سلوک مطلوب ہے، لیکن ایسا نہ ہو کہ اس کے نتیجے میں بیویوں میں شونی کا انداز حد اعتدال سے تجاوز کر جائے اور ﴿الَّذِي جَاءَ قَوْمًا مُّؤْمِنًا عَلَىٰ النِّسَاءِ﴾ کا اصول مجروح ہو جائے جو ہماری خاندانی زندگی کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اگر خاندان کا ادارہ کمزور ہو جائے تو اس کے اثرات سارے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں، اس لئے اس اصول کو ایک واقعے کے حوالے سے ذہن نشین کروایا گیا ہے۔

عالمی زندگی کو صحیح بنیادوں پر استوار رکھنے اور ”گھر“ کو امن و سکون کا گوارہ بنانے کے لئے ان آیات میں مسلمان عورتوں کو ایک اہم سبق یہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے رازوں کی امانت دار اور محافظ بنیں۔ قرآن میں ان کی صفت ”حَفِظَتْ“ لِلْغَيْبِ یعنی رازوں کی حفاظت کرنے والیاں بتائی گئی ہے۔ بیوی فطری طور پر بھی گھر کے رازوں کی امین ہوتی ہے، لیکن اگر وہ خود ہی اس امانت کی حفاظت نہ کر سکے تو عالمی زندگی جن الجھنوں کا شکار ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔